اسلام کا نظریۂ سیاسی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام کا نظریۂ سیاسی

اسلام کے متعلق یہ فقرہ آپ اکثر سُنتے رہتے ہیں کہ یہ ایک "جمہوری نظام ہے"، پچھلی صدی کے آخری دور سے اس فقرے کا بار بار اعادہ کیا جا رہا ہے۔ مگر جو لوگ اس کو زبان سے نکالتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے ایک فی ہزار بھی ایسے نہیں جنہوں نے اس دین کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہو اور یہ سمجھنے کی کوشش کی ہو کہ اسلام میں جمہوریت کس حیثیت سے ہے اور کس نوعیت کی ہے؟ اُن میں سے بعض تو اسلامی نظام جماعت کی چند ظاہری شکلوں کو دیکھ کر اس پر جمہوریت کا نام چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور اکثر ایسے ہیں جن کی ذہنیت کچھ اس طور پر بنی ہے کہ دنیا میں (اور خصوصاً اُن کے حکمرانوں میں) جو چیز مقبول عام ہو اس کو کسی نہ کسی طرح اسلام میں موجود ثابت کر دینا اُن کے نزدیک اس مذہب کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ شاید وہ اسلام کو اس یتیم بچے کی طرح سمجھتے ہیں جو ہلاکت سے بس اسی طرح بچ سکتا ہے کہ کسی بااثر شخص کی سرپرستی اس کو حاصل ہو جائے یا پھر غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ ہماری عزت محض مسلمان ہونے کی حیثیت سے قائم نہیں ہو سکتی، بلکہ صرف اسی طرح قائم

ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے مسلک میں دنیا کے کسی چلتے ہوئے مسلک کے اصولوں کی جھلک دکھا دیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جب دنیا میں اشتراکیت کا غلغلہ بلند ہوا تو مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ اشتراکیت تو محض اسلام کا ایک جدید ایڈیشن ہے، اور جب ڈکٹیٹر شپ کا آوازہ اٹھا تو کچھ دوسرے لوگوں نے اطاعتِ امیر، اطاعتِ امیر" کی صدائیں بلند کرنی شروع کر دیں اور لگے کہنے کہ یہاں سارا نظام جماعت ڈکٹیٹرشپ ہی پر قائم ہے۔ غرض اسلام کا نظریۂ سیاسی اس زمانہ میں ایک چیستاں، ایک چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گیا ہے جس میں ہر وہ چیز نکال کر دکھائی جاتی ہے جس کا بازار میں چلن ہو۔ ضرورت ہے کہ باقاعدہ علمی طریقے سے اس امر کی تحقیق کی جائے کہ فی الواقع اسلام کا سیاسی نظریہ ہے کیا؟ اِس طرح نہ صرف ان پراگندہ خیالوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور نہ صرف اُن لوگوں کا منہ بند ہو جائے گا جنہوں نے حال میں علی الاعلان یہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا تھا کہ اسلام سرے سے کوئی سیاسی و تمدنی نظام تجویز ہی نہیں کرتا بلکہ درحقیقت تاریکیوں میں بھٹکنے والی دنیا کے سامنے ایک ایسی روشنی نمودار ہو جائے گی جس کی وہ سخت حاجت مند ہے، اگرچہ اپنی اس حاجتمندی کا شعور نہیں رکھتی۔

تمام اِسلامی نظریات کی اساس

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اسلام محض چند منتشر خیالات اور منتشر طریقہ ہائے عمل کا مجموعہ نہیں ہے جس میں

اِدھر اُدھر سے مختلف چیزیں لاکر جمع کردی گئی ہوں، بلکہ یہ ایک باضابطہ نظام ہے جس کی بنیاد چند مضبوط اُصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس کے بڑے ارکان سے لے کر چھوٹے سے جزئیات تک ہر چیز اس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ایک منطقی ربط رکھتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام مختلف شعبوں کے متعلق اس نے جتنے ضابطے اور قاعدے مقرر کئے ہیں اُن سب کی روح اور اُن کا جوہر اس کے اصولِ اوّلیہ ہی سے ماخوذ ہے۔ ان اصولِ اوّلیہ سے پوری اسلامی زندگی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ بالکل اسی طرح نکلتی ہے جس طرح درخت میں آپ دیکھتے ہیں کہ بیج سے جڑیں اور جڑوں سے تنہ اور تنے سے شاخیں اور شاخوں سے پتیاں پھوٹتی ہیں اور خوب پھیل جانے کے باوجود اس کی ایک ایک پتی اپنی جڑ کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔ پس آپ اسلامی زندگی کے جس شعبے کو بھی سمجھنا چاہیں آپ کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کی جڑ کی طرف رجوع کریں، کیوں کہ اس کے بغیر آپ اس کی روح کو نہیں پا سکتے۔

انبیاء علیہم السّلام کا مِشن

اسلام کے متعلق یہ بات تو آپ مجملاً جانتے ہیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا مِشن ہے۔ یہ صرف محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مِشن نہیں ہے بلکہ انسانی تاریخ کے قدیم ترین دور سے جتنے انبیاء بھی خدا کی طرف سے آئے ہیں اُن سب کا یہی مِشن تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی اجمالی طور پر آپ کو معلوم

ہے کہ یہ سب نبی ایک خدا کی خدائی منوانے اور اسی کی عبادت کرانے آئے تھے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کا پردہ اٹھا کر ذرا آپ گہرائی میں اتریں۔ سب کچھ اسی پردے کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ تجسّس کی نگاہ ڈال کر اچھی طرح دیکھئے کہ ایک خدا کی خدائی منوانے سے مقصد کیا تھا، اور صرف اسی کی عبادت کرانے کا مطلب کیا تھا؟ اور آخر اس میں کون سی ایسی بات تھی کہ جہاں کسی اللہ کے بندے نے مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ کا اعلان کیا اور ساری طاغوتی طاقتیں جھاڑ کا کانٹا بن کر اس کو چمٹ گئیں۔؟ اگر بات صرف اتنی ہی تھی جتنی آج کل سمجھی جاتی ہے کہ مسجد میں خدائے واحد کے آگے سجدہ کرلو اور باہر نکل کر حکومتِ وقت (جو بھی وقت کی حکومت ہو) کی وفاداری اور اطاعت میں لگ جاؤ تو کس کا سر پھرا تھا کہ اتنی سی بات کے لئے خواہ مخواہ اپنی وفاداری اور رعایا کی مذہبی آزادی میں مداخلت کرتا۔ آئیے ہم تحقیق کرکے دیکھیں کہ خدا کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا اور دنیا کی دوسری طاقتوں کا اصل جھگڑا کس بات پر تھا۔؟

قرآن میں ایک جگہ نہیں بکثرت مقامات پر یہ بات صاف کردی گئی ہے کہ کفّار و مشرکین جن سے انبیاء علیہم السلام کی لڑائی تھی۔ اللہ کے منکر نہ تھے ان سب کو تسلیم تھا کہ اللہ ہے اور وہی زمین و آسمان کا خالق اور خود اُن کفّار و مشرکین کا خالق بھی ہے۔ کائنات کا سارا انتظام اسی کے اشارے پر ہو رہا ہے

وہی پانی برساتا ہے، وہی ہواؤں کو گردش دیتا ہے، اسی کے ہاتھ میں سورج اور چاند اور زمین سب کچھ ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ط قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ؟ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ؟

(المومنون - ۱۵)

ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کا ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہو، پھر تم خود غور نہیں کرتے؟ ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ کہیں گے اللہ، کہو پھر تم اس سے ڈرتے نہیں؟ ان سے پوچھو وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے مگر کوئی اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ، کہو، پھر تم کس دھوکے میں ڈال دیئے گئے ہو۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؟ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ

اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ اور کس نے سورج اور چاند کو اپنا تابع فرمان بنا رکھا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ خدا نے پھر یہ آخر کدھر بھٹکائے جا رہے ہیں؟

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط (عنکبوت۔ ۶)

اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا؟ اور کس نے مری ہوئی زمین کو زندگی بخشی؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ہ (الزخرف۔ ۷)

اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر آخر یہ کدھر بھٹکائے جا رہے ہیں۔؟

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے ہونے میں اور اس کے خالق ہونے اور مالکِ ارض و سما ہونے میں کوئی اختلاف نہ تھا لوگ ان باتوں کو خود مانتے تھے لہٰذا ظاہر ہے کہ انہی باتوں کو منوانے کے لئے تو انبیاء علیہم السلام کے آنے کی ضرورت تھی ہی نہیں۔ اب پوچھیے کہ انبیاء کی آمد کس لئے تھی اور جھگڑا کس چیز کا تھا؟ قرآن کہتا ہے کہ سارا جھگڑا اس بات پر تھا کہ انبیاء کہتے تھے، جو تمہارا اور زمین و آسمان کا خالق ہے وہی تمہارا رب اور الٰہ بھی ہے۔ اس کے سوا کسی کو الٰہ اور رب نہ مانو۔ مگر دنیا اس بات کے ماننے کے لیے تیار نہ تھی۔

آئیے ذرا پھر تجسس کریں کہ اس جھگڑے کی تہہ میں کیا ہے؟ الٰہ سے کیا مراد ہے؟ رب کسے کہتے ہیں؟ انبیاء کو کیوں اصرار تھا کہ صرف اللہ ہی کو الٰہ اور رب مانو؟ اور دنیا کیوں اس پر لڑنے کھڑی ہو جاتی تھی؟

الٰہ کے معنیٰ

الٰہ کے معنیٰ آپ سب جانتے ہیں کہ معبود کے ہیں۔ مگر معاف کیجئے گا، معبود کے معنیٰ آپ بھول گئے ہیں۔ معبود کا مادہ عبد ہے۔ عبد بندے اور غلام کو کہتے ہیں۔ عبادت کے معنیٰ محض پوجا کے نہیں ہیں۔ بلکہ بندہ اور غلام جو زندگی غلامی اور بندگی کی حالت میں بسر کرتا ہے، وہ پوری کی پوری سراسر عبادت ہے۔ خدمت کے لیے کھڑا ہونا۔ احترام میں ہاتھ باندھنا، اعترافِ بندگی میں سر جھکانا، جذبۂ وفاداری سے سرشار ہونا، فرماں برداری میں دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کرنا، جس کام کا اشارہ ہو اُسے بجالانا۔ جو کچھ آقا طلب کرے اسے پیش کر دینا، اس کی طاقت و جبروت کے آگے ذلت اور عاجزی اختیار کرنا، جو قانون وہ بنائے اس کی اطاعت کرنا، جس کے خلاف وہ حکم دے اس پر چڑھ دوڑنا، جہاں اس کا فرمان ہو سر تک کٹوا دینا۔ یہ عبادت کا اصل مفہوم ہے۔ اور آدمی کا معبود حقیقت میں وہی ہے جس کی عبادت وہ اس طرح کرتا ہے۔

رَبّ کا مفہوم

اور "رب" کا مفہوم کیا ہے؟ عربی زبان میں رب کے اصلی معنیٰ پرورش کرنے والے کے ہیں اور چوں کہ دنیا میں پرورش کرنے والے ہی کی اطاعت و فرماں برداری کی جاتی ہے۔ لہٰذا رب کے معنیٰ مالک اور آقا کے بھی ہوئے چنانچہ عربی محاورے میں مال کے مالک کو ربُّ المال اور صاحب خانہ کو ربُّ الدّار کہتے ہیں۔ آدمی جس کو اپنا رازق

اور اپنا مربی سمجھے، جس سے نوازش اور سرفرازی کی اُمید رکھے۔ جس سے عزت اور ترقی اور امن کا متوقع ہو، جس کی نگاہِ لطف کے پھر جانے سے خوف کرے کہ میری زندگی بگڑ جائے گی، جس کو اپنا آقا اور مالک قرار دے اور جس کی فرمان برداری اور اطاعت کرے وہی اس کا رب ہے۔[1]

ان دونوں لفظوں کے معنیٰ پر نگاہ رکھئے اور پھر غور سے دیکھئے کہ انسان کے مقابلے میں یہ دعویٰ لے کر کون کھڑا ہو سکتا ہے کہ "میں تیرا الٰہ ہوں اور میں تیرا رب ہوں میری بندگی و عبادت کر"؟ کیا درخت، پتھر، دریا، جانور، سورج چاند، تارے کسی میں بھی یہ یارا ہے کہ وہ انسان کے سامنے آکر یہ دعویٰ پیش کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں، وہ صرف انسان ہی ہے جو انسان کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ لے کر اُٹھتا ہے اور اٹھ سکتا ہے خدائی کی ہوس انسان ہی کے سر میں سما سکتی ہے انسان ہی کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشِ اقتدار یا خواہشِ انتفاع اسے اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کا خدا بنے، ان سے اپنی بندگی کرائے، اُن کے سر اپنے آگے جھکوائے، اُن پر اپنا حکم چلائے، اُن کو اپنی خواہشات کے حصول کا آلہ بنائے۔ یہ خدا بننے کی لذت ایسی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی لذیذ چیز انسان آج تک دریافت نہیں کر سکا ہے، جس کو کچھ طاقت یا دولت یا چالاکی یا ہشیاری یا کسی نوع کا زور حاصل ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اپنے فطری اور جائز حدود سے آگے بڑھے، پھیل جائے اور آس پاس کے انسانوں پر جو اس کے

---

[1] ان دونوں اصطلاحوں کی مفصل تشریح کے لئے ملاحظہ "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں"۔

مقابلے میں ضعیف یا مفلس یا بے وقوف یا کسی حیثیت سے بھی کم زور ہوں، اپنی خدائی کا سکہ جما دے۔ا

اس قسم کی ہوس خداوندی رکھنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں اور دو مختلف راستے اختیار کرتے ہیں۔

ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن میں زیادہ جرأت ہوتی ہے یا جن کے پاس خدائی کے ٹھاٹھ جمانے کے لئے کافی ذرائع ہوتے ہیں، اس لئے وہ براہِ راست اپنی خدائی کا دعویٰ پیش کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک وہ فرعون تھا جس نے اپنی بادشاہی اور اپنے لشکروں کے بل بوتے پر مصر کے باشندوں سے کہہ دیا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں) اور "مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ" (میں نہیں جانتا کہ میرے سوا اور کوئی بھی تمہارا الٰہ ہے) جب حضرت موسیٰؑ نے اس کے سامنے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ پیش کیا اور اس سے کہا کہ تو خود بھی الٰہ العٰلمین کی بندگی اختیار کر، تو اُس نے کہا کہ میں تم کو جیل بھیج دینے کی قدرت رکھتا ہوں، لہٰذا تم مجھ کو الٰہ تسلیم کرو۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـھًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ۔
اسی طرح ایک وہ بادشاہ تھا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بحث ہوئی تھی قرآن میں اس کا ذکر جن الفاظ کے ساتھ آیا ہے انہیں ذرا غور سے پڑھئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھِیْمَ	تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیمؑ سے
فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ اِذْ قَالَ	بحث کی اس بارے میں کہ ابراہیمؑ کا رب
اِبْرٰھِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ لا	کون ہے اور یہ حجت کیوں کی؟ اس لئے کہ
قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ط قَالَ اِبْرٰھِیْمُ	اللہ نے اُس کو حکومت دے رکھی تھی
فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ	جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (بقرہ - ۳۵) ہاتھ میں زندگی اور موت ہے تو اُس نے جواب دیا کہ زندگی اور موت تو میرے ہاتھ میں ہے ۔ ابراہیمؑ نے کہا ۔ اچھا اللہ تو سورج کو مشرق کی طرف سے لاتا ہے تو ذرا مغرب کی طرف سے نکال لا ۔ یہ سُن کر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا ۔

غور کیجئے وہ کافر ہکا بکا کیوں رہ گیا؟ اس لئے کہ وہ اللہ کا منکر نہ تھا وہ اس بات کا قائل تھا کہ کائنات کا فرماں روا ، اللہ ہی ہے ۔ سورج کو وہی نکالتا اور وہی غروب کرتا ہے ۔ جھگڑا اس بات میں نہ تھا کہ کائنات کا مالک کون ہے ۔ بلکہ اس بات میں تھا کہ انسانوں کا اور خصوصاً ارضِ بابل کے باشندوں کا مالک کون ہے ۔؟ وہ اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتا تھا بلکہ اس بات کا دعویٰ رکھتا تھا کہ اس مُلک کے باشندوں کا رب میں ہوں اور یہ دعویٰ اس بناء پر تھا کہ حکومت اس کے ہاتھ میں تھی ۔ لوگوں کی جانوں پر وہ قابض و متصرف تھا ، اپنے آپ میں یہ قدرت پاتا تھا کہ جسے چاہے پھانسی پر لٹکا دے اور جس کی چاہے جان بخشی کر دے ۔ یہ سمجھتا تھا کہ میری زبان قانون ہے اور میرا حکم ساری رعایا پر چلتا ہے ۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے رب تسلیم کرو ۔ اور میری بندگی اور عبادت کرو مگر جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تو اسی کو رب مانوں گا اور اسی کی بندگی و عبادت بھی کروں گا جو زمین و آسمان کا رب ہے اور جس کی عبادت یہ سورج کر رہا ہے ۔ تو وہ حیران رہ گیا اور اس لئے حیران رہ گیا کہ ایسے شخص کو کیوں کر قابو میں لاؤں[۱]؟

---

[۱] ۔ اس مضمون کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو " قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں "۔

یہ خدائی، جس کا دعویٰ فرعون اور نمرود نے کیا تھا، کچھ ان ہی دو آدمیوں تک محدود نہ تھی۔ دنیا میں ہر جگہ فرماں رواؤں کا یہی دعویٰ تھا اور یہی دعویٰ ہے۔ ایران میں بادشاہ کے لیے خدا اور خداوند کے الفاظ مستعمل تھے اور اُن کے سامنے پورے مراسم عبودیت بجا لائے جاتے تھے۔ حالانکہ کوئی ایرانی اُن کو خدائے خدائیگاں (یعنی اللہ) نہیں سمجھتا تھا، اور نہ وہ خود اس کے مدعی تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں فرماں روا خاندان اپنا نسب دیوتاؤں سے ملاتے تھے۔ چنانچہ سورج بنسی اور چندر بنسی آج تک مشہور ہیں۔ راجہ کو اَن داتا یعنی رازق کہا جاتا تھا اور اس کے سامنے سجدے کئے جاتے تھے۔ حالانکہ پرمیشور ہونے کا دعویٰ نہ کسی راجہ کو تھا اور نہ پرجا ہی ایسا سمجھی تھی۔ ایسا ہی حال دنیا کے دوسرے ممالک کا بھی تھا اور آج بھی ہے بعض جگہ فرماں رواؤں کے لئے الٰہ اور رب کے ہم معنیٰ الفاظ اب بھی صریحاً بولے جاتے ہیں، مگر جہاں یہ نہیں بولے جاتے، وہاں اسپرٹ وہی ہے جو ان الفاظ کے مفہوم میں پوشیدہ ہے۔ اس نوع کے دعوائے خداوندی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی صاف الفاظ میں الٰہ اور رب ہونے ہی کا دعویٰ کرے نہیں، وہ سب لوگ جو انسانوں پر اس اقتدار، اس فرماں روائی و حکمرانی، اس آقائی و خداوندی کو قائم کرتے ہیں جسے فرعون اور نمرود نے قائم کیا تھا۔ دراصل وہ اِلٰہ اور رب کے معنیٰ و مفہوم کا دعویٰ کرتے ہیں، چاہے الفاظ کا دعویٰ نہ کریں اور وہ سب لوگ جو اُن کی اطاعت و بندگی کرتے ہیں وہ بہرحال اُن کے اِلٰہ اور رَبُ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، چاہے زبان سے یہ الفاظ نہ کہیں۔

غرض ایک قسم تو انسانوں کی وہ ہے جو براہِ راست اپنی الٰہیت اور ربوبیت

کا دعویٰ کرتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے پاس اتنی طاقت نہیں ہوتی اتنے ذرائع نہیں ہوتے کہ خود ایسا دعویٰ لیکر اُٹھیں اور اُسے منوالیں۔ البتہ چالاکی اور فریب کاری کے ہتھیار ہوتے ہیں جن سے وہ عام انسانوں کے دل و دماغ پر جادو کر سکتے ہیں، سوان ذرائع سے کام لیکر وہ کسی روح، کسی دیوتا، کسی بت، کسی قبر، کسی سیّارے، کسی درخت کو الٰہ بنا دیتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ تمہیں نفع اور ضرر پہنچانے پر قادر ہیں، یہ تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں کہ یہ تمہارے 'وَلی' محافظ اور مددگار ہیں۔ ان کو خوش نہ کرو گے تو تمہیں قحط اور بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا کردیں گے، انہیں خوش کر کے حاجتیں طلب کرو گے تو یہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے، مگر اُنہیں خوش کرنے اور اُن کو تمہارے حال پر متوجہ کرنے کے طریقے ہم کو معلوم ہیں۔ ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہم ہی بن سکتے ہیں۔ ہماری بزرگی تسلیم کرو۔ ہمیں خوش کرو، اور ہمارے ہاتھ میں اپنی جان، مال، آبرو سب کچھ دے دو۔ بہت سے بے وقوف انسان اس جال میں پھنس جاتے ہیں اور یوں جھوٹے خداؤں کی آڑ میں ان پروہتوں اور پجاریوں اور مجاوروں کی خداوندی قائم ہوتی ہے۔

اسی نوع میں کچھ دوسرے لوگ ہیں جو کہانت اور نجوم اور فال گیری اور تعویذ گنڈوں اور منتروں کے وسیلے اختیار کرتے ہیں۔ کچھ اور لوگ ہیں جو اللہ کی بندگی کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر کہتے ہیں کہ تم براہِ راست اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہم ہیں۔ عبادت کے مراسم ہمارے ہی واسطے سے اَدا ہوں گے، اور تمہاری پیدائش سے لے کر موت تک ہر مذہبی رسم ہمارے ہاتھوں سے انجام پائے گی۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب کے حامل بن جاتے ہیں

عام لوگوں کو اس کے علم سے محروم کر دیتے ہیں اور خود اپنے زعم میں خدا کی زبان بن کر
حلال وحرام کے احکام دینے شروع کر دیتے ہیں۔ یوں اُن کی زبان قانون بن جاتی
ہے اور وہ انسانوں کو خدا کے بجائے خود اپنے حکم کا تابع بنا لیتے ہیں، یہی اصل ہے
اس برہمنیت اور پاپائیت کی جو مختلف ناموں اور مختلف صورتوں سے قدیم
ترین زمانے سے آج تک دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلی ہوئی ہے، اور جس کی
بدولت بعض خاندانوں، نسلوں یا طبقوں نے عام انسانوں پر اپنی سیادت کا
سکہ جما رکھا ہے۔

فتنے کی جڑ

اِس نظر سے جب آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا
کہ دنیا میں فتنے کی جڑ اور فساد کا اصلی سرچشمہ انسان پر
انسان کی خدائی ہے خواہ وہ بالواسطہ ہو، یا بلاواسطہ۔ اسی سے خرابی کی ابتداء ہوتی
ہے اور اسی سے آج بھی بِس کے زہریلے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خیر
انسان کی فطرت کے سارے راز ہی جانتا ہے۔ مگر اب تو ہزارہا برس کے تجربے
سے خود ہم پر بھی یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو چکی ہے کہ انسان کسی نہ کسی کو
الٰہ اور رَب مانے بغیر رہ ہی نہیں سکتا گویا کہ اس کی زندگی محال ہے، اگر کوئی اس کا
الٰہ اور رَبّ نہ ہو، اگر اللہ کو نہ مانے گا تب بھی اُسے الٰہ اور رب سے چھٹکارا نہیں
ہے، بلکہ اس صورت میں بہت سے الٰہ اور ارباب اس کی گردن پر مسلّط ہو جائیں گے
غور سے دیکھئے کہ روس میں کمیونسٹ پارٹی کی سیاسی مجلس POLITICAL BUREAU

کے ارکان باشندگانِ روس کے ارباب والٰہ نہیں ہیں اور کیا اسٹالن اُن کا ربّ الارباب نہیں ؟ روس کا کون سا گاؤں اور کون سا زرعی فارم ایسا ہے جہاں اُس خدائے روسیاں کی تصویر موجود نہیں ؟ ابھی پولینڈ کے جس حصے پر روس نے قبضہ کیا ہے[1] اس میں سوویٹ سسٹم کی بسم اللہ آپ کو معلوم ہوئی، کس طرح ہوئی ؟ اسٹالین کی تصویریں ہزاروں کی تعداد میں درآمد کی گئیں۔ گاؤں گاؤں میں پہنچائی گئیں، تاکہ سب سے پہلے وہ اپنے الٰہ العظیم اور ربّ کبیر سے واقف ہولیں، تب اُن کو دینِ بالشویکی میں داخل کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ آخر ایک انسان کو یہ اہمیت کیوں؟ کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی کو خواہ وہ جماعت COMMUNITY کی نمایندگی ہی کر رہا ہو کروڑوں انسانوں کے دماغوں اور اُن کی روحوں پر اس طرح مسلّط کر دیا جائے کہ اس کی شخصیت کا جبروت اور اُس کی کبریائی اُن کے رگ و ریشے میں پیوست ہوجائے۔ اسی طریقے سے تو شخصی اقتدار دنیا میں قائم ہوتا ہے۔ یوں ہی تو انسان انسانوں کا خدا بنتا ہے۔ یہی تو وہ ڈھنگ ہے جن سے فرعونیت اور نمرودیت اور زاریت و قیصریت کی جڑیں ہر زمانے میں مستحکم ہوئی ہیں۔

اسی طرح اٹلی کو دیکھیے، وہاں فاشسٹ گرانڈ کونسل الٰہوں کا مجمع ہے اور مسولینی اُن کا سب سے بڑا الٰہ۔ جرمنی میں نازی پارٹی کے لیڈر الٰہ ہیں اور

---

[1] خیال رہے کہ یہ مقالہ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں لکھا گیا تھا۔

ہٹلر اُن کا الٰہ کبیر۔ انگلستان بھی اپنی ڈیموکریسی کے باوجود بینک آف انگلینڈ کے ڈائرکٹروں اور چند اونچے طبقے کے امراء و مدبرین میں اپنے الٰہ رکھتا ہے۔ امریکہ میں وال اسٹریٹ کے چند مٹھی بھر سرمایہ دار تمام ملک کے ارباب والہ بنے ہوئے ہیں۔

غرض آپ جدھر نظر ڈالیں گے، کہیں ایک قوم دوسری قوم کی الٰہ ہے کہیں ایک طبقہ دوسرے طبقوں کا الٰہ ہے۔ کہیں ایک پارٹی نے الٰہیت و ربوبیت کے مقام پر قبضہ کر رکھا ہے اور کہیں ایک ڈکٹیٹر مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ۔ کی منادی کر رہا ہے۔ انسان کسی ایک جگہ بھی الٰہ کے بغیر نہ رہا۔

پھر انسان پر انسان کی خدائی قائم ہونے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے! وہی جو ایک کمینے، کم ظرف آدمی کو پولیس کمشنر بنا دینے یا ایک جاہل تنگ نظر آدمی کو وزیر اعظم بنا دینے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اول تو خدائی کا نشہ ہی کچھ ایسا ہے کہ آدمی اس شراب کو پی کر کبھی اپنے قابو میں رہ نہیں سکتا۔ اور بالفرض اگر وہ قابو میں رہ بھی جائے تو خدائی کے فرائض انجام دینے کے لئے جس علم کی ضرورت ہے اور جس بے لوثی و بے غرضی اور بے نیازی کی حاجت ہے وہ انسان کہاں سے لائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں انسانوں پر انسانوں کی الٰہیت و ربوبیت قائم ہوئی وہاں ظلم، طغیان، ناجائز انتفاع، بے اعتدالی اور ناہمواری نے کسی نہ کسی صورت سے راہ پا ہی لی، وہاں انسانی روح اپنی فطری آزادی سے محروم ہو کر ہی رہی۔ وہاں انسان کے دل و دماغ پر اور

اس کی پیدائشی قوتوں اور صلاحیتوں پر ایسی بندشیں عائد ہو کر رہیں، جنہوں نے انسانی شخصیت کے نشوو ارتقا کو روک دیا۔ کس قدر سچ فرمایا، اس صادق و مصدوق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے :-

قال اللہ عزوجل انی خلقت عبادی حنفاء نجاء تھم الشیطین فاجتالتھم من دینھم وحرمت علیھم ما احللت لھم۔ (حدیث قدسی)	اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا پھر شیطان نے ان کو آگھیرا۔ انہیں فطرت کی راہ راست سے بھٹکا لے گئے اور جو کچھ میں نے اُن کے لئے حلال کیا تھا اُن شیطانوں نے اُن کو اس سے محروم کر کے رکھ دیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، یہ ہے وہ چیز جو انسان کے سارے مصائب اس کی ساری تباہیوں، اس کی تمام محرومیوں کی اصل جڑ ہے۔ یہ اس کی ترقی میں اصلی رکاوٹ ہے۔ یہ وہ روگ ہے جو اس کے اخلاق اور اُسکی روحانیت کو اس کی علمی و فکری قوتوں کو، اس کے تمدن اور اس کی معاشرت کو، اس کی سیاست اور اس کی معیشت کو اور قصہ مختصر اس کی انسانیت کو تپ دق کی طرح کھا گیا ہے۔ قدیم ترین زمانے سے کھا رہا ہے اور آج تک کھائے چلا جاتا ہے۔ اس روگ کا علاج بجز اس کے کچھ ہے ہی نہیں کہ انسان سارے ارباب اور تمام الہوں کا انکار کر کے صرف اللہ کو اپنا الٰہ اور صرف رب العالمین کو اپنا

رب قرار دے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ اس کی نجات کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ملحد اور دہریہ بن کر بھی تو وہ الہوں اور ارباب سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

انبیاء کا اصل اصلاحی کام

یہی وہ بنیادی اصلاح تھی جو انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی میں کی۔ وہ دراصل انسان پر انسان کی خدائی تھی جس کو مٹانے کے لیے یہ لوگ آئے۔ ان کا اصلی مشن یہ تھا کہ انسان کو اس ظلم سے، ان جھوٹے خداؤں کی بندگی سے اس طغیان اور ناجائز انتفاع سے نجات دلائیں اُن کا مقصد یہ تھا کہ جو انسان انسانیت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں انہیں ڈھکیل کر پھر اس حد میں واپس پہنچائیں جو اس حد سے نیچے گرا دیئے گئے ہیں اُنہیں ابھار کر اس حد تک اٹھا لائیں اور سب کو ایک ایسے عادلانہ نظامِ زندگی کا پابند بنا دیں جس میں کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا عبد ہو نہ معبود، بلکہ سب ایک اللہ کے بندے بن جائیں۔ ابتدا سے جتنے نبی دنیا میں آئے اُن سب کا ایک ہی پیغام تھا اور وہ یہ تھا کہ:۔ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا الٰہ نہیں ہے، یہی حضرت نوحؑ نے کہا۔ یہی حضرت صالحؑ نے کہا یہی حضرت شعیبؑ نے کہا[1] اور اسی کا اعلان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ ‌ ‌ میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں، کوئی اِلٰہ

---

[1] سورۂ ہود، رکوع ۴، ۵، ۶، ۸۔

إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ه رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ (ص۔ ۵)

نہیں ہے، بجز اُس ایک اللہ کے جو سب پر غالب ہے، جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ہر اس چیز کا جو آسمان وزمین کے درمیان ہے،

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ط أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط (اعراف۔ ۷)

یقیناً تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو۔ اور سورج اور چاند اور ستاروں کو۔ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ خبردار! خلق بھی اسی کی ہے اور حکومت بھی اسی کی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ج لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ج خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ه (انعام۔ ۱۳)

وہ ہے اللہ، وہی تمہارا رب ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ه حُنَفَاءَ۔ (البینہ)

ان کو کوئی حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ اللہ کی بندگی کریں۔ سب کو چھوڑ کر صرف اس کی اطاعت کریں۔

تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ م بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا

آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور خدائی میں کسی کو اس کا شریک

يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (آل عمران۔۷) نہ قرار دیں۔ اور ہم سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔

یہی وہ منادی تھی جس نے انسان کی روح اور اس کی عقل وفکر اور اس کی ذہنی و مادی قوتوں کو غلامی کی ان بندشوں سے رہا کرایا جن سے وہ جکڑے ہوئے تھے اور وہ بوجھ اُن پر سے اتارے جن کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے۔ یہ انسان کے لئے حقیقی آزادی کا چارٹر تھا۔ محمد رسول اللہؐ کے اسی کارنامے کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ یعنی یہ نبی اُن پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوتے تھے۔ اور اُن بندھنوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ کسے ہوتے تھے۔

نظریۂ سیاسی کا نقطۂ آغاز

انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لئے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز ومحور اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے اور اس پر اسلام کے نظریۂ سیاسی کی بنیاد قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا اوّلین اصول یہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لیے جائیں، کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ؕ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ؕ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ (یوسف-۵)

حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے۔

يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ؕ (آل عمران-۱۶)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ۔ (النحل-۱۵)

اپنی زبانوں سے یوں ہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ (مائدہ-۷)

جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی دراصل ظالم ہیں۔

اس نظریے کے مطابق حاکمیت SOVEREIGNTY صرف خدا کی ہے، قانون ساز LAW GIVER صرف خدا ہے، کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو بذاتِ خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ (انعام-۵)

میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔

عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لیے مامور ہیں کہ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ	ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے۔ اس لئے بھیجا ہے
اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔	کہ اللہ کے SANCTION اذن کے تحت
(النساء - ۵)	اس کی اطاعت کی جائے۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ	یہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب
الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۔	دی، حکم AUTHORITY سے سرفراز کیا
(انعام - ۱۰)	اور نبوت عطا کی۔
مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ	کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ	کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے
ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا	اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کے بجائے
لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا	میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا
رَبّٰنِيّٖنَ ۔ (آل عمران - ۸)	کہ تم ربانی بنو۔

پس اسلامی اسٹیٹ کی ابتدائی خصوصیات جو قرآن کی بالا تر تصریحات سے نکلتی ہیں، یہ ہیں :-

۱۔ کوئی شخص، خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکم اصلی صرف خدا ہے اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں، سارے

مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لئے کوئی قانون بنا سکتے ہیں اور نہ خدا کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں۔

۳۔ اسلامی اسٹیٹ بہرحال اس قانون پر قائم ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔

اسلامی اسٹیٹ کی نوعیّت

ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ جمہوریت DEMOCRACY نہیں ہے، اس لئے کہ جمہوریت تو نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت حاصل ہو۔ انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو اور انہی کی رائے سے قوانین بنیں۔ جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے نہ چاہیں وہ کتاب آئین پر سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے لہذا اس معنی میں اُسے جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے لئے زیادہ صحیح نام "الٰہی حکومت" ہے جس کو انگریزی میں THEOCRACY کہتے ہیں مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے اسلامی تھیاکریسی اس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ PRIEST CLASS خدا کے نام سے خود اپنے

بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا[1] ہے اور عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے، ایسی حکومت کو تو الٰہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بخلاف اس کے اسلام جس تھیا کریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقے کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرزِ حکومت کو THEO-DEMOCRACY یعنی "الٰہی جمہوری حکومت" کے نام سے موسوم کروں گا کیونکہ اس میں خدا کی حاکمیت اور اس کے اقتدار اعلیٰ PARAMOUNTCY کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت SOVEREIGNTY عطا کی گئی ہے۔ اس میں عاملہ یعنی EXECUTIVE مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں، بلکہ عام مسلمانوں میں سے

---

[1] عیسائی پاپاؤں اور پادریوں کے پاس مسیحؑ کی چند اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی شریعت سرے سے تھی ہی نہیں، لہٰذا وہ اپنی مرضی سے اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق قوانین بناتے تھے اور یہ کہہ کر انہیں نافذ کرتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ۔

ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔ اس لحاظ سے یہ ڈیموکریسی ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ جہاں خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو کسی لیجسلیچر کو، کسی مجتہد اور عالمِ دین کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں یک سرمو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ تھیاکریسی ہے۔

ایک اعتراض

آگے بڑھنے سے پہلے میں اس امر کی تھوڑی سی تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام میں ڈیموکریسی پر حدود و قیود کیوں عائد کیے گئے ہیں اور ان حدود و قیود کی نوعیت کیا ہے۔ اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اس طرح تو خدا نے انسانی عقل و روح کی آزادی سلب کر لی۔ حالانکہ ابھی تم یہ ثابت کر رہے تھے کہ خدا کی الٰہیت انسان کو عقل و فکر اور جسم و جان کی آزادی عطا کرتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قانون سازی کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں انسان کی فطری آزادی سلب کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو محفوظ کرنے کے لیے لیا ہے، اس کا مقصد انسان کو بے راہ ہونے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے سے بچانا ہے۔

یہ مغرب کی نام نہاد ڈیموکریسی، جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں عمومی حاکمیت POPULAR SOVEREIGNTY ہوتی ہے، اس کا ذرا تجزیہ تو کر کے دیکھئے جن لوگوں سے مل کر کوئی اسٹیٹ بنتا ہے وہ سب کے سب

نہ تو خود قانون بناتے ہیں اور نہ خود اُس کو نافذ کرتے ہیں۔ اُنہیں اپنی حاکمیت چند مختلف لوگوں کے سپرد کرنی پڑتی ہے، تاکہ اُن کی طرف سے وہ قانون بنائیں اور اُسے نافذ کریں۔ اسی غرض سے انتخاب کا ایک نظام مقرر کیا جاتا ہے۔ اس انتخاب میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت، اپنے علم، اپنی چالاکی اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے بے وقوف بنا سکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ ہی سے اُن کے الٰہ بن جاتے ہیں۔ عوام کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کے لئے قوانین بناتے ہیں اور اسی طاقت سے۔ جو عوام نے اُن کو دی ہے، اُن قوانین کو عوام پر نافذ کرتے ہیں۔ یہی مصیبت امریکہ میں ہے، یہی انگلستان میں ہے اور یہی اُن سب ممالک میں ہے جن کو جمہوریت کی جنّت ہونے کا دعویٰ ہے۔

پھر اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہاں عام لوگوں ہی کی مرضی سے قانون بنتے ہیں۔ تب بھی تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عام لوگ خود بھی اپنے مفاد کو نہیں سمجھ سکتے۔ انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ یہ اپنی زندگی کے اکثر معاملات میں حقیقت کے بعض پہلوؤں کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا اس کا فیصلہ JUDGEMENT عموماً یک طرفہ ہوتا ہے اس پر جذبات اور خواہشات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ خالص عقلی اور علمی حیثیت سے بے لاگ رائے بہت کم قائم کر سکتا ہے، بلکہ بسا اوقات عقلی و علمی حیثیت سے جو بات اس پر روشن

ہو جاتی ہے اس کو بھی یہ جذبات و خواہشات کے مقابلے میں رد کر دیتا ہے۔ اسکے ثبوت میں بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں مگر طوالت سے بچنے کے لئے میں صرف امریکہ کے قانون منعِ شراب PROHIBITION کی مثال پیش کروں گا۔ علمی اور عقلی حیثیت سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ شراب صحت کے لئے مضر ہے، عقلی و ذہنی قوتوں پر برا اثر ڈالتی ہے۔ اور انسانی تمدن میں فساد پیدا کرتی ہے۔ ان ہی حقائق کو تسلیم کر کے امریکہ کی رائے عامہ اس بات کے لئے راضی ہوئی تھی کہ منعِ شراب کا قانون پاس کیا جائے۔ چنانچہ عوام کے ووٹ ہی سے یہ قانون پاس ہوا تھا مگر جب وہ نافذ کیا گیا تو اُن ہی عوام نے جن کے ووٹ سے وہ پاس ہوا تھا اس کے خلاف بغاوت کی۔ بد سے بدتر قسم کی شرابیں ناجائز طور پر بنائیں اور پئیں۔ پہلے سے کئی گُنا زیادہ شراب کا استعمال ہوا۔ جرائم میں اور اضافہ ہو گیا۔ آخر کار ان ہی عوام کے ووٹوں سے وہ شراب جو حرام کی گئی تھی حلال کر دی گئی۔ یہ حرمت کا فتویٰ حلّت سے جو بدلا گیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ علمی و عقلی حیثیت سے اب شراب کا استعمال مفید ثابت ہو گیا تھا۔ بلکہ صرف یہ وجہ تھی کہ عوام اپنی جاہلانہ خواہشات کے بندے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی حاکمیت، اپنے نفس کے شیطان کی طرف منتقل کر دی تھی۔ اپنی خواہش کو اپنا اِلٰہ بنا لیا تھا اور اس الٰہ کی بندگی میں وہ اس قانون کو بدلنے پر مُصر تھے۔ جسے انہوں نے خود ہی علمی اور عقلی حیثیت سے صحیح تسلیم کر کے پاس کیا تھا، اس قسم کے اور بہت سے تجربات ہیں جن سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ انسان خود اپنا واضع قانون

LEGISLATOR بننے کی پوری اہلیت نہیں رکھتا۔ اگر اس کو دوسرے الٰہوں کی بندگی سے رہائی مل بھی جائے تو وہ اپنی جاہلانہ خواہشات کا بندہ بن جائے گا۔ اپنے نفس کے شیطان کو الٰہ بنالے گا۔ لہٰذا وہ اس کا محتاج ہے کہ اس کی آزادی پر خود اس کے لئے اپنے مفاد میں مناسب حدیں لگادی جائیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ قیود عائد کی ہیں جن کو اسلام کی اصطلاح میں حدود اللہ DIVINE LIMITS کہا جاتا ہے۔ یہ حدود زندگی کے ہر شعبے میں چند اصول، چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں جو اس شعبے کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ اُن کا منشاء یہ ہے کہ یہ تمہاری آزادی کی آخری حدیں ہیں، ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لئے ضمنی اور فروعی قاعدے Regulations بنا سکتے ہو۔ مگر ان حدود سے تجاوز کرنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے، ان سے تجاوز کرو گے تو تمہاری اپنی زندگی کا نظام فاسد و مختل ہو جائے گا۔

حُدُودُ اللہ کا مقصد

مثال کے طور پر انسان کی معاشی زندگی کو لیجئے اس میں اللہ تعالیٰ نے شخصی ملکیت کا حق، زکوٰۃ کی فرضیت، سود کی حُرمت۔ جوئے اور سٹّے کی ممانعت، وراثت کا قانون اور دولت کمانے، جمع کرنے اور خرچ کرنے پر پابندیاں عائد کر کے چند سرحدی نشان لگا دیئے ہیں۔ اگر انسان ان نشانات کو برقرار رکھے اور ان کے اندر رہ کر اپنے معاملات کی تنظیم کرے، تو ایک طرف شخصی آزادی PERSONAL LIBERTY بھی محفوظ رہتی ہے اور دوسری طرف

طبقاتی جنگ CLASS WAR اور ایک طبقے پر دوسرے طبقے کے تسلط کی وہ حالت بھی پیدا نہیں ہو سکتی جو ظالمانہ سرمایہ داری سے شروع ہو کر مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ پر منتہی ہوتی ہے۔

اسی طرح عائلی زندگی FAMILY LIFE میں اللہ نے حجابِ شرعی، مرد کی قوامیت شوہر، بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق و فرائض، طلاق اور خلع کے احکام، تعدّدِ ازدواج کی مشروط اجازت، زنا اور قذف کی سزائیں مقرر کر کے ایسی حدیں کھڑی کر دی ہیں کہ اگر انسان اُن کی ٹھیک نگہداشت کرے اور ان کے اندر رہ کر اپنی خانگی زندگی کو مضبوط کر لے تو نہ گھر ظلم و ستم کی دوزخ بن سکتے ہیں اور نہ اُن گھروں سے عورتوں کی شیطانی آزادی کا وہ طوفان اٹھ سکتا ہے جو آج پوری انسانی تہذیب کو غارت کر دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

اسی طرح انسانی تمدن و معاشرت کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص کا قانون، چوری کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا، شراب کی حرمت۔ جسمانی ستر کے حدود اور ایسے چند مستقل قاعدے مقرر کر کے فساد کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے ہیں۔

میرے لیے اتنا موقع نہیں ہے کہ میں حدود اللہ کی ایک مکمل فہرست آپ کے سامنے پیش کر کے تفصیل کے ساتھ بتاؤں کہ انسانی زندگی میں توازن و اعتدال قائم کرنے کے لئے اُن میں سے ایک ایک حد کس قدر ضروری ہے۔ یہاں میں صرف یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے ایک ایسا مستقل ناقابلِ تغیّر

وتبدّل دستور CONSTITUTION بنا کر انسان کو دے دیا ہے جو اس کی روحِ آزادی
... کو سلب اور اس کی عقل و فکر کو معطل نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے ایک صاف اور
واضح اور سیدھا راستہ مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنی جہالت اور اپنی کمزوریوں کے
سبب سے تباہی کی بھول بھلیوں میں بھٹک نہ جائے۔ اس کی قوتیں غلط راستوں
میں ضائع نہ ہوں اور وہ اپنی حقیقی فلاح و ترقی کی راہ پر سیدھا بڑھتا چلا جائے
اگر آپ کو کسی پہاڑی مقام پر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ پُرپیچ
پہاڑی راستوں میں، جن کے ایک طرف عمیق غار اور دوسری طرف بلند چٹانیں ہوتی
ہیں، سڑک کے کناروں کو ایسی رکاوٹوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ مسافر غلطی سے
کھڈ کی طرف نہ چلا جائے۔ کیا ان رکاوٹوں کا مقصد راہ رو کی آزادی کو سلب کرنا ہے؟
نہیں! دراصل ان سے مقصد یہ ہے کہ اس کو ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے اور ہر
پیچ، ہر موڑ اور ہر امکانی خطرے کے موقع پر اُسے بتایا جائے کہ تیرا راستہ اُدھر
نہیں، اِدھر ہے، تجھے اس رُخ پر نہیں اس رُخ پر مڑنا چاہئے تاکہ تو بسلامت
اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ سکے۔ بس یہی مقصد ان حدود کا بھی ہے جو خدا نے اپنے
دستور میں مقرر کی ہیں۔ یہ حدیں انسان کے لئے زندگی کے سفر کا صحیح رُخ معین
کرتی ہیں اور ہر پُر پیچ مقام، ہر موڑ اور ہر دوراہے پر اُسے بتاتی ہیں کہ سلامتی
کا راستہ اس طرف ہے۔ تجھے ان سمتوں پر نہیں بلکہ اس سمت پر پیش قدمی کرنی
چاہئیے۔

جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، خدا کا مقرر کیا ہوا یہ دستور ناقابل تغیر و تبدل ہے، آپ اگر چاہیں تو ترکی اور ایران کی طرح اس دستور کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں مگر اس کو بدل نہیں سکتے۔ یہ قیامت تک کے لئے اٹل دستور ہے۔ اسلامی اسٹیٹ جب بنے گا اسی دستور پر بنے گا۔ جب تک قرآن اور سنتِ رسولؐ دنیا میں باقی ہے اس دستور کی ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹائی جا سکتی جس کو مسلمان رہنا ہو وہ اس کی پابندی پر مجبور ہے۔

اسلامی اسٹیٹ کا مقصد

اس دستور کی حدود کے اندر جو اسٹیٹ بنے اس کے لئے ایک مقصد بھی خدا نے متعین کر دیا ہے اور اس کی تشریح قرآن میں متعدد مقامات پر کی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ
بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ	بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان
وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج	اُتارا ہے تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ	اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں زبردست
شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (الحدید-۳)	طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔

اس آیت میں لوہے سے مراد سیاسی[1] قوت ہے اور رسولوں کا کام یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح ہدایات اور اپنی کتاب میں جو میزان اُن کو دی

---

[1] یا قوتِ قاہرہ۔

ہے، یعنی جس ٹھیک متوازن WELL BALANCED نظام زندگی کی طرف اُن کی رہنمائی فرمائی ہے، اس کے مطابق اجتماعی عدل SOCIAL JUSTICE قائم کریں۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِط (الحج۔۶)	یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکن و حکومت عطا کریں گے تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے، اور بدی سے روکیں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط (آل عمران۔۱۲)	تم وہ بہترین جماعت ہو جسے نوعِ انسانی کے لئے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جس اسٹیٹ کا تخیل پیش کر رہا ہے اس کا مقصد محض سلبی NEGATIVE نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایجابی POSITIVE مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے۔ اُن کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل

کے اس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے جو خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اس کا مقصد بدی کی اُن تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی اُن تمام شکلوں کو قائم کرنا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے۔ اس کام میں حسبِ موقع و محل سیاسی طاقت بھی استعمال کی جائے گی۔ تبلیغ و تلقین سے کام بھی لیا جائے گا۔ تعلیم و تربیت کے ذرائع بھی کام میں لائے جائیں گے اور جماعتی اثر اور رائے عام کے دباؤ کو بھی استعمال کیا جائے گا۔

ہمہ گیر اسٹیٹ

اس نوعیّت کا اسٹیٹ ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اسٹیٹ ہے۔ اس کا دائرۂ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدّن کے ہر شعبے کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی شخص اپنے کسی معاملے کو پرائیویٹ اور شخصی نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے یک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔ مگر آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس کلّیت کے باوجود اس میں موجودہ زمانے کی کلّی TOTALITARIAN اور استبدادی AUTHORITARIAN حکومتوں کا سا رنگ نہیں ہے۔ اس میں شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی اور نہ اس میں آمریت DICTATORSHIP پائی جاتی ہے۔ اس معاملے میں جو کمال درجے کا اعتدال اسلامی نظامِ حکومت میں قائم کیا گیا ہے اور حق و باطل کے درمیان جیسی نازک اور باریک سرحدیں

قائم کی گئی ہیں انہیں دیکھ کر ایک صاحب بصیرت آدمی کا دل گواہی دینے لگتا ہے کہ ایسا متوازن نظام حقیقت میں خدائے حکیم وخبیر ہی وضع کرسکتا ہے۔

جماعتی اور مسلکی اسٹیٹ

دوسری بات جو اسلامی اسٹیٹ کے دستور اور اس کے مقصد اور اس کی اصلاحی نوعیت پر غور کرنے سے خود بخود واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے اسٹیٹ کو صرف وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں، جنہوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو، جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں اور نہ صرف اس میں کامل عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی اسپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اور اس کی تفصیلات سے بھی واقف ہوں۔ اسلام نے اس باب میں کوئی جغرافی لونی یا لسانی قید نہیں رکھی ہے۔ وہ تمام انسانوں کے سامنے اپنے دستور، اپنے مقصد اور اپنے اصلاحی پروگرام کو پیش کرتا ہے جو شخص بھی اسے قبول کرلے، خواہ وہ کسی نسل کسی ملک اور کسی قوم سے تعلّق رکھتا ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے بنائی گئی ہے مگر جو اُسے قبول نہ کرے اُسے اسٹیٹ کے کام میں دخیل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اسٹیٹ کے حدود میں ذمّی SUBJECT کی حیثیت سے رہ سکتا ہے۔ اس کے لئے اسلام کے قانون میں معیّن حقوق اور مراعات موجود ہیں۔ اس کی جان و مال اور عزّت کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ لیکن بہرحال اس کو حکومت میں شریک کی حیثیت نہ دی جائے گی، کیونکہ یہ ایک خاص مسلک رکھنے

والی پارٹی کا اسٹیٹ ہے۔ یہاں بھی اسلامی اسٹیٹ اور کمیونسٹ اسٹیٹ میں ایک گونہ مماثلت پائی جاتی ہے لیکن دوسرے مسلکوں پر اعتقاد رکھنے والوں کے ساتھ جو برتاؤ اشتراکی جماعت کا اسٹیٹ کرتا ہے اس کو اس برتاؤ سے کوئی نسبت نہیں جو اسلامی اسٹیٹ کرتا ہے اسلام میں وہ صورت نہیں جو کمیونسٹ حکومت میں ہے کہ غلبہ و اقتدار حاصل کرتے ہی اپنے تمدنی اصولوں کو دوسروں پر بجبر مسلط کر دیا جائے۔ جائدادیں ضبط کی جائیں قتل و خون کا بازار گرم ہو اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو پکڑ کر زمین کے جہنم سائیبریا کی طرف پھیک کر دیا جائے۔ اسلام نے غیر مسلموں کے لئے جو فیاضانہ برتاؤ اپنے اسٹیٹ میں اختیار کیا ہے اور اس بارے میں عدل و ظلم اور راستی و ناراستی کے درمیان جو باریک خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ اُسے دیکھ کر ہر انصاف پسند آدمی بیک نظر معلوم کر سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو مُصلح آتے ہیں وہ کس طرح کام کرتے ہیں اور زمین میں جو مصنوعی اور جعلی مصلحین اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اُن کا طریقۂ کار کیا ہے۔

نظریۂ خلافت

اب میں آپ کے سامنے اِسلامی اسٹیٹ کی ترکیب اور اس کے طرزِ تعمیر کی تھوڑی تشریح کروں گا۔ یہ بات میں آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں اصلی حاکم اللہ ہے۔ اس اصل الاصول کو پیشِ نظر رکھ کر جب آپ اس سوال پر غور کریں گے کہ زمین میں جو لوگ خدا کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے اٹھیں، اُن کی حیثیت کیا ہونی چاہیئے۔ تو آپ کا ذہن خود بخود پکار اٹھے گا

کہ وہ اصلی حاکم کے نائب قرار پانے چاہئیں۔ ٹھیک یہی حیثیت اِسلام نے بھی اُن کو دی ہے، چنانچہ قرآن کہتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ	اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اسی طرح جس طرح اُن سے پہلے اس نے دوسروں کو خلیفہ بنایا تھا

یہ آیت اسلام کے نظریہ ریاست THEORY OF STATE پر نہایت صاف روشنی ڈالتی ہے۔ اس میں دو بنیادی نکات بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام حاکمیت کے بجائے خلافت VICEGERENCY کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ چونکہ اس کے نظریہ کے مطابق حاکمیت خدا کی ہے لہذا جو کوئی اسلامی دستور کے تحت زمین پر حکمراں ہو اُسے لامحالہ حاکمِ اعلیٰ کا خلیفہ VICEGERENT ہونا چاہئیے جو محض تفویض کردہ اختیارات DELEGATED POWER استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔

دوسری کانٹے کی بات اس آیت میں ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سب مومن خلافت کے حامل ہیں، خدا کی طرف سے جو خلافت مومنوں کو عطا ہوئی ہے وہ عمومی خلافت POPULAR VICEGERENCY ہے۔ کسی شخص یا خاندان یا نسل

یا طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ ہر مومن اپنی جگہ خدا کا خلیفہ ہے۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے فرداً فرداً ہر ایک خدا کے سامنے جواب دہ ہے (کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ)[1] اور ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کے مقابلے میں کسی حیثیت سے فروتر نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریت کی حیثیت

یہ ہے اسلامی ڈیموکریسی کی اصل بنیاد، عمومی خلافت کے اصل تصور کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:۔

۱۔ ایسی سوسائٹی جس میں ہر شخص خلیفہ ہو اور خلافت میں برابر کا شریک ہو، طبقات کی تقسیم اور پیدائشی یا معاشرتی امتیازات کو اپنے اندر راہ نہیں دے سکتی اس میں تمام افراد مساوی الحیثیت اور مساوی المرتبہ ہوں گے۔ فضیلت جو کچھ بھی ہوگی شخصی قابلیت اور سیرت کے اعتبار سے ہوگی۔ یہی بات ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تبصریح بیان فرمایا ہے۔

لیس لاحد فضل علیٰ احد	کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ اگر ہے تو دین
الا بدین وتقوی۔ الناس کلھم	کے علم و عمل اور تقویٰ کے اعتبار سے ہے۔ سب
بنو آدم و آدم من تراب لافضل	لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے

---

[1] مشہور حدیث ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور تم سب خدا کے سامنے اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہو۔

لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا	نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی
لابیض علیٰ اسود ولا لاسود	پر۔ نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے
علیٰ ابیض الا بالتقویٰ۔	پر فضیلت ہے تو تقوے کی بنا پر ہے۔

فتح مکہ کے بعد جب تمام عرب اسلامی اسٹیٹ کے دائرے میں آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے خاندان والوں کو جو عرب میں برہمنوں کی سی حیثیت رکھتے تھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یامعشر قریش ان اللہ قد	قریش والو! اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت
ذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ	اور باپ دادا کی بندگی کو دور کر دیا۔ اے لوگو!
وتعظمہا الآباء۔ ایھا الناس	تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے
کلکم من آدم وآدم من تراب	بنے تھے۔ نسب کا فخر ہیچ ہے۔
لافخر للانساب۔ لافضل للعربی	عرب کو عجمی پر اور عجمی کو عرب پر کوئی فخر
علی العجمی ولا للعجمی علی العربی۔ ان	نہیں۔ تم میں بزرگ وہ ہے جو تم
اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔	میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

۲۔ ایسی سوسائٹی میں کسی فرد یا کسی گروہِ افراد کے لئے اس کی پیدائش یا اس کے معاشرتی مرتبے SOCIAL STATUS یا اس کے پیشے کے اعتبار سے اس قسم کی رکاوٹیں DISABILITIES نہیں ہوسکتیں جو اس کی ذاتی قابلیتوں کے نشوونما اور اس کی شخصیت کے ارتقاء میں کسی طرح بھی مانع ہوں۔ اس کو سوسائٹی کے

تمام دوسرے افراد کی طرح ترقی کرکے یکساں مواقع حاصل ہونے چاہئیں اس کے لئے راستہ کھلا ہوا ہونا چاہیئے کہ اپنی قوت و استعداد کے لحاظ سے جہاں تک بڑھ سکتا ہے بڑھتا چلا جائے۔ بغیر اس کے کہ دوسروں کے اسی طور پر بڑھنے میں مانع ہو۔ یہ چیز اسلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ غلام اور غلام زادے فوجوں کے افسر اور صوبوں کے گورنر بنائے گئے اور بڑے بڑے اونچے گھرانوں کے شیوخ نے اُنکی ماتحتی کی۔ چمار جوتیاں گانٹھتے گانٹھتے اُٹھے اور امامت کی مسند پر بیٹھ گئے جولاہے اور بزاز مفتی اور قاضی اور فقیہہ بنے اور آج اُن کے نام اسلام کے بزرگوں کی فہرست میں ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ " اسمعوا و اطیعوا ولو استعمل علیکم عبد حبشی" سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارا سردار ایک حبشی ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔

۳۔ ایسی سوسائٹی میں کسی شخص یا گروہ GROUP کی ڈکٹیٹرشپ کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ یہاں ہر شخص خلیفہ ہے، کسی شخص یا گروہ کو حق نہیں ہے کہ عام مسلمانوں سے ان کی خلافت کو سلب کرکے خود حاکم مطلق بن جائے یہاں جو شخص حکمراں بنایا جاتا ہے اس کی اصلی حیثیت یہ ہے کہ تمام مسلمان، یا اصطلاحی الفاظ میں تمام خلفاء اپنی رضامندی سے اپنی خلافت کو انتظامی اغراض کے لئے اس ذات میں مرکوز CONCENTRATE کر دیتے ہیں وہ ایک طرف خدا کے سامنے جواب دہ ہے اور دوسری طرف ان عام خلفاء کے سامنے

جنہوں نے اپنی خلافت اس کو تفویض کی ہے۔ اب اگر وہ غیر ذمے دار مطاعِ مطلق یعنی ڈکٹیٹر بنتا ہے تو خلیفہ کے بجائے غاصب کی حیثیت اختیار کرتا ہے، کیونکہ ڈکٹیٹر شپ دراصل عمومی خلافت کی نفی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی اسٹیٹ ایک کلی اسٹیٹ ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر اس کا دائرہ وسیع ہے مگر اس کلیت اور ہمہ گیری کی بنیاد یہ ہے کہ خدا کا وہ قانون ہمہ گیر ہے جسے اِسلامی حکمراں کو نافذ کرنا ہے۔ خدا نے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق جو ہدایات دی ہیں وہ یقیناً پوری ہمہ گیری کے ساتھ نافذ کی جائیں گی۔ مگر ان ہدایات سے ہٹ کر اسلامی حکمراں خود ضابطہ بندی REGIMENTATION کی پالیسی اختیار نہیں کرسکتا۔ وہ لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ فلاں پیشہ کریں اور فلاں پیشہ نہ کریں، فلاں فن سیکھیں اور فلاں نہ سیکھیں۔ اپنے بچوں کو فلاں قسم کی تعلیم دلوائیں اور فلاں قسم کی نہ دلوائیں، جو اختیارات روس اور جرمنی اور اٹلی میں ڈکٹیٹروں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں یا جن کو اتاترک نے ترکی میں استعمال کیا۔ اسلام نے وہ اختیارات امیر کو عطا نہیں کیے۔ علاوہ بریں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اِسلام میں ہر فرد شخصی طور پر خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ یہ شخصی جواب دہی PERSONAL RESPONSIBILITY ایسی ہے جس میں کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ شریک نہیں لہٰذا اس قانون کی حدود کے اندر پوری آزادی ہونی چاہئے کہ اپنے لئے جو راستہ چاہے اختیار کرے اور جدھر اس کا میلان ہو اپنی قوتوں کو اسی طرف بڑھنے کے لئے استعمال کرے۔ اگر امیر اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے گا تو وہ خود

اس ظلم کے لئے اللہ کے ہاں پکڑا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفائے راشدین کی حکومت میں ضابطہ بندی کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔

۴۔ ایسی سوسائٹی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہئے، اس لئے کہ وہ خلافت کا حامل ہے۔ خدا نے اس خلافت کو کسی خاص معیار لیاقت یا کسی خاص معیارِ ثروت سے مشروط نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف ایمان وعملِ صالح سے مشروط کیا ہے۔ لہٰذا رائے دہی میں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہے۔

انفرادیت اور اجتماعیت کا توازن

ایک طرف اسلام نے بہ کمال درجے کی جمہوریت قائم کی ہے دوسری طرف اس نے ایسی انفرادیت INDIVIDUALISM کا سدِ باب کر دیا ہے جو اجتماعیت SOCIALISM کی نفی کرتی ہو۔ یہاں فرد اور جماعت کا تعلق اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کی شخصیت جماعت میں گم ہو جائے جس طرح کیمونزم اور فاشزم کے نظامِ اجتماعی میں ہو جاتی ہے اور نہ فرد اپنی حد سے اتنا بڑھ جائے کہ جماعت کے لئے نقصان دہ ہو، جیسا کہ مغربی جمہوریتوں کا حال ہے۔ اسلام میں فرد کا مقصدِ حیات وہی ہے جو جماعت کا مقصدِ حیات ہے، یعنی قانونِ الٰہی کا نفاذ اور رضائے الٰہی کا حصول۔ مزید برآں اسلام میں فرد کے

حقوق پوری طرح محفوظ کرنے کے بعد اس پر جماعت کے لئے مخصوص فرائض بھی
عائد کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح انفرادیت اور اجتماعیت میں ایسی
موافقت HARMONY پیدا ہوگئی ہے کہ فرد کو اپنی قوتوں کے نشوونما
کا پورا موقع بھی ملتا ہے اور پھر وہ اپنی ان ترقی یافتہ قوتوں کے ساتھ اجتماعی
فلاح و بہبود میں مددگار بھی بن جاتا ہے۔ یہ ایک مستقل مبحث ہے جس پر
تفصیل کے ساتھ گفتگو کا یہاں موقع نہیں۔ اس کی طرف اشارہ کرنے سے
میرا مقصد صرف ان غلط فہمیوں کا سدِ باب کرنا تھا جو اسلامی جمہوریت
کی مذکورہ بالا تشریح سے پیدا ہو سکتی تھیں۔

اِسلامی اسٹیٹ کی ہیئتِ ترکیبی

خلافتِ عمومی کے تصوّر کا تجزیہ میں
نے کیا ہے۔ اس کو نظر میں رکھنے کے بعد آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی
اسٹیٹ میں امام یا امیر یا صدرِ حکومت کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں
کہ عام مسلمانوں کو جو خلافت حاصل ہے۔ اس کے اختیارات وہ اپنے
میں سے ایک بہترین شخص کا انتخاب کر کے امانت کے طور پر اس کے
سپرد کر دیتے ہیں۔ اس کے لئے "خلیفہ" کا لفظ جو استعمال کیا جاتا
ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس وہی اکیلا خلیفہ ہے بلکہ
اس کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی خلافت اس کی ذاتِ گرامی

میں مرتکز CONCENTRATE ہوگئی ہے۔

اب میں مختصر طور پر اس طرزِ حکومت کی چند خاص خاص تفصیلات بیان کروں گا تاکہ اس کا ایک واضح خاکہ آپ کے سامنے آجائے۔

۱۔ امیر کا انتخاب اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1] کے اصول پر ہوگا۔ یعنی عام مسلمان جس کے کیرکٹر پر پوری طرح اعتماد رکھتے ہوں وہی اس منصب کے لئے چُنا جائے گا اور جب وہ چُن لیا جائے گا تو اُس کو سیاہ وسپید کے اختیارات ہوں گے۔ اس پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔ جب تک وہ خدا اور رسول کے قانون کی پیروی کرے گا۔ اسکی کامل اطاعت کی جائے گی۔

۲۔ امیر تنقید سے بالاتر نہ ہوگا۔ ہر عامی مسلمان اس کے پبلک کاموں ہی پر نہیں بلکہ پرائیویٹ زندگی پر بھی نکتہ چینی کرنے کا مجاز ہوگا وہ قابلِ عزل ہوگا۔ قانون کی نگاہ میں اس کی حیثیت عام شہریوں کے برابر ہوگی۔ اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکے گا۔ اور وہ عدالت میں کسی امتیازی برتاؤ کا مستحق نہ ہوگا۔

---

[1] یعنی کسی شخص کو خلیفہ منتخب کرنے کے لئے صرف یہی بات نہ دیکھی جائے گی کہ اُسکی علمی و ذہنی قابلیت اور تدبیر و تنظیم کی صلاحیت کیسی ہے بلکہ سب سے زیادہ جس چیز کا لحاظ کیا جائے گا وہ یہ ہے کہ اس کے تقویٰ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

۳۔ امیر کو مشورہ کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ مجلسِ شوریٰ ایسی ہو گی جسے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہو اس امر میں بھی کوئی شرعی مانع نہیں کہ اس مجلس کو مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب کیا جائے۔ اگرچہ اس کی مثال خلافتِ راشدہ میں نہیں ملتی۔

۴۔ عموماً مجلس کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوں گے مگر اسلام تعداد کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک اکیلے شخص کی رائے پوری مجلس کی رائے کے مقابلے میں برحق ہو اور اگر ایسا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ حق کو اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس کی تائید میں ایک جمِ غفیر نہیں ہے۔ لہٰذا امیر کو حق ہے کہ اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ۔ اور امیر کو یہ بھی حق ہے کہ پوری مجلس سے اختلاف کر کے اپنی رائے پر فیصلہ کرے۔ مگر ہر صورت میں عامۃ المسلمین اس بات پر نظر رکھیں گے کہ امیر اپنے ان وسیع اختیارات کو تقویٰ اور خوفِ خدا کے ساتھ استعمال کرتا ہے یا نفسانیت کے ساتھ۔ بصورت دیگر رائے عام اس امیر کو مسندِ امارت سے نیچے بھی اتار لا سکتی ہے۔

۵۔ امارت یا مجلسِ شوریٰ کی رکنیت یا کسی ذمّے داری کے منصب کے لئے کوئی ایسا شخص منتخب نہ کیا جائے گا جو خود اس کا امیدوار ہو یا کسی طور

پر اس کے لئے کوشش کرے اسلام میں اُمیدواری CANDIDATURE اور
انتخابی پروپیگنڈا کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی صاف ہدایت ہے کہ اُمیدوار کو کوئی منصب نہ دیا جائے۔ اسلامی
ذہنیت اس بات کے خیال تک سے نفرت کرتی ہے کہ ایک منصب کے
لئے دو تین، چار اُمیدوار کھڑے ہوں، ایک دوسرے کے خلاف پوسٹر بازی
جلسہ بازی اور اخباری پروپیگنڈا کریں۔ ووٹروں کو طرح طرح سے بے وقوف
بنائیں اور کھانوں کی دیگیں چڑھائی جائیں۔ موٹریں دوڑیں اور اُن میں سے
وہ اُمیدوار بازی لے جائے جو جھوٹ، فریب اور زرپاشی میں سب سے
بڑھا ہوا ہو۔ یہ شیطانی ڈیموکریسی کے ملعون طریقے ہیں جن کا عُشرِ عشیر بھی اسلامی
حکومت میں برسرِ کار آئے تو خلافت کی مجلسِ شوریٰ میں منتخب ہو کر جانا تو درکنار
ایسے لوگوں کو قاضی کی عدالت میں پیش کر کے سزا دلوادی جائے۔

۶۔ اِسلامی مجلسِ شوریٰ میں پارٹی بندی نہیں ہو سکتی۔ فرد فرد علیحدہ ہوگا
اور حق کے مطابق رائے دے گا۔ اسلام میں اس کا موقع نہیں کہ آپ ہر حال
میں اپنی پارٹی کا ساتھ دیں خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ بلکہ اسلامی
اسپرٹ کا تقاضا یہ ہے کہ آج کسی کی رائے کو آپ حق پر پائیں تو اس کا ساتھ
دیں اور کل کسی دوسرے مسئلے میں اگر کسی شخص کی رائے آپ کے نزدیک
خلافِ حق ہو تو اس سے اختلاف کریں۔

۷۔ اسلام میں عدالت کے شعبے کو انتظامی شعبے کے اثر سے کلیتہً آزاد رکھا گیا ہے۔ قاضی کا کام خُدا کے قانون کو اس کے بندوں پر نافذ کرنا ہے۔ وہ عدالت کی کرسی پر امیر یا خلیفہ کے نائب کی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ عزّوجل کے نائب کی حیثیت سے بیٹھتا ہے۔ لہٰذا عدالت میں اس کے سامنے خود خلیفہ کی بھی کوئی وقعت نہیں۔ کسی کو اپنی شخصیت یا اپنے خاندان یا اپنے عہدے کی وجہ سے یہ حق حاصل نہیں کہ قاضی کے سامنے حاضر ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ ایک ادنیٰ مزدور۔ ایک غریب کاشت کار، ایک فقیر بے نوا بھی اس کا حق رکھتا ہے کہ بڑے سے بڑے شخص حتّٰی کہ خود خلیفہ کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعوےٰ دائر کر دے اور قاضی کو پورے اختیارات حاصل ہیں کہ اگر مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو خدا کا قانون خلیفہ پر بھی ٹھیک اسی طرح نافذ کر دے جس طرح ایک عامی مسلمان پر کرتا ہے۔ اسی طرح اگر خود خلیفہ کو اپنی ذاتی حیثیت میں کسی کے خلاف شکایت ہو تو وہ اپنے حاکمانہ اختیارات استعمال کرکے خود اس شکایت کو رفع کر لینے کا حق نہیں رکھتا بلکہ از روئے آئین وہ مجبور ہے کہ ایک عام شہری کی طرح عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اس مختصر خطبے میں میرے لیے یہ موقع نہیں ہے کہ اسلامی اسٹیٹ

کی تفصیلی صورت آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔ اس کی اسپرٹ اور اس کے طرزِ کارروائی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے دورِ حکومت کی نظیریں پیش کرنا ضروری ہیں، اور اس کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ اسلامی طرزِ حکومت کا ایک واضح تصور پیش کرنے کے لئے کافی ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط